سوال

(12)طریقہ توسل آں حضرت ﷺ یا صحابہ کرام سے ثابت و منقول ہے؟

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

سوال صرف یہ ہے کہ کیا اس طریقہ کا توسل آں حضرت ﷺ یا صحابہ کرام سے ثابت و منقول ہے؟ کیا خیر القرون (قرون ثلثہ مشہور ولہا بالخیر) میں یہ طریقہ توسل رائج تھا؟ اگر نہیں تھا تو اس کے محدث اور بدعت ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ اور کیا اس لیپا پوتی کے بعد بھی عوام کالانعام کی توحید کے محفوظ رہنے کی توقع ہوسکتی ہے۔ قائلین توسل مروجہ کے تمام دلائل کے جوابات اور ان کی پوری تردید کےلیے مندرجہ ذیل کتابیں ضرور ملاحظہ کی جائیں کہ وہ اس موضوع پر بہترین کتابیں ہیں۔

(1)صیانۃالانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان (مطبوعہ مطبعۃ المنار مصر) للعلامۃ الشیخ محمد بشیر السہوانی۔

(2)التوسل والوسیلۃ للحافظ الامام ابن تیمیۃ۔

(3)البروق النجدیۃ للشیخ عبداللہ القصیمی۔

(4)الصارم المنکر فی الرد علی السبکی للشیخ عبدالہادي المقدسی

(مصباح بستی جمادی الاولی 1371ھ)

جمادی الاول کے پرچے میں توسل کی بابت جو فتویٰ شائع ہوا ہے اس کے متعلق چند باتیں عرض ہیں:

(1) جناب مجیب نے ص: 17 پر طبرانی والی روایت کے متعلق لکھا ہے: ''لأن في سندہ روح بن صلاح وہو ضعیف،، حالانکہ روح بن صلاح اس رویت میں راوی ہے ہی نہیں بلکہ روح بن القاسم ہے ملاحظہ ہو طبرانی صغیر 1 178 پھر اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے: ''والحدیث صحیح،،

(2) ضعیف حدیث اس وقت قابل عمل نہیں ہوتی، جب اس کے خلاف صحیح حدیث موجود ہو۔ آپ مہربانی فرما کر قرآن شریف کی کوئی آیت یا کوئی حدیث بایں الفاظ پش کریں کہ دعا کے اندر کسی کا وسیلہ نہ لو، جب ان الفاظ کی حدیث یا قرآن کی آیت نص صریح مل جائے۔ تو یقینا ضعیف حدیث کہہ کر ٹال سکتے ہیں۔ مخالف کو بھی تسلی اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ ہم پیش کریں۔ جب نص نہیں ہے تو یہ حدیثیں قابل عمل ہیں اور مخالف کو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

(3) طبرانی کی وہ حدیث جو 2 12 پر حضرت عمر سے ہے وہ بھی صاف دلیل ہے توسل مروجہ پر۔ گو وہ روایت ضعیف ہے، لیکن جب تک نص صریح صاف دلیل ممانعت کی نہ ہو، جرح کرنی فضول ہے۔

(از مولوی عبداللہ صاحب خطیب جامع مسجد اہل حدیث، سی بلاک ڈیرہ غازی خاں)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

(1) بے شک طبرانی کی اس روایت کی سند میں روح بن صلاح نہیں ہیں جن کی ابن عدی نے ''الکامل،، میں تضعیف کی ہے بلکہ روح بن القاسم ہیں جو صحیحین کے رجال سے ہیں اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔

استفسار کا جواب لکھے وقت اصل کتاب (المعجم الصغیر اللطبرانی) کی طرف مراجعت نہیں کی جا سکی تھی، اور نہ اس روایت پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مفصل کلام کو بالاستیعاب بغور پڑھا گیا تھا، بلکہ یہ تنقید علامہ سہسوانی کے کلام پر اعتمام کر کے لکھ دی گئی تھی۔ علامہ ممدوح اس حدیث سے توسل بالمیت پر استدلال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''ہذا الحدیث قال الطبرانی عبقبہ: والحدیث صحیح بعد ذکر طرقہ التی روي بہا، کذا فی مجمع الزوائد (279/278/2)، والترغیب والترہیب للمنذري (209/208/1)، ولکن فی سندہ روح بن صلاح، وقد ضعفہ ابن عدي کما تقدم،، (صیانۃ الإنسان ص: 133) اور بلاشبہ یہاں علامہ سے تسامح ہوگیا ہے، عفا اللہ عنی وعنہ۔

لیکن اس سند میں روح بن القاسم واقع ہونے کے باوجود ہمارے نزدیک طبرانی کی یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس کے حسن ہونے میں بھی ہم کو کلام وتاویل ہے، اور طبرانی کے قول ''والحدیث صحیح،، کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس سند اور جن الفاظ سے طبرانی نے یہ حدیث روایت کی ہے اسی طریق ومتن سے یہ حدیث صحیح ہے کما توھمتم بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ اصل حدیث یعنی مرفوع صحیح ہے کما یدل علیہ سیاق کلامہ، وقد صححہ ایضا الترمذي والحاکم ووالفقعہ الذہبی، وقد اقتصرا علی روایۃ المرفوع

یہ حدیث دو طرح مروی ہے: مطولاً: (ای بذکر قصۃ الرجل الذي کان یختلف إلی عثمان بن عفان فی حاجتہ لہ، وقد احتج بہ من قال بالتوسل بالنبی ﷺ بعد وفاتہ، وہذا ہو الذي ننکرہ) اور مختصراً (اي بدون القصۃ المذکورۃ، بل مقتصرا علی ذکر المرفوع، ولیس فیہ إلا التوسل بدعائہ صلی اللہ علیہ وسلم وشفاعتہ فی حیاتہ ولانزاع فیہ) مطول حدیث کو صرف بیہقی (فی دلائل النبوۃ) اور طبرانی (فی المعجم الصغیر) نے روایت کیا ہے، اور مختصر یعنی محض حدیث مرفوع کو احمد (4 138)، ترمذی (فی الدعوات)، نسائی (فی الکبریٰ، ابن ماجہ (فی الصلاۃ)، حاکم (1 819 526)، ابن السنی ص: 202) بیہقی (فی دلائل النبوۃ)، ابو بکر بن خثیمہ (فی التاریخ) نے روایت کیا ہے۔ اختلاف طرق کی تفصیل ذیل کے جدول میں ملاحظہ فرمائیں:

(1) شعبۃ عن ابی جعفر الخطمی المدنی عمیر بن یزید عن عمار بن خزیمۃ عن عثمان بن حنیف. (احمد 138/4، ترمذي کتاب الدعوات باب 119، (3578) 5/579) نسائی، ابن ماجہ (کتاب اقامۃ الصلاۃ–والسنۃ فیہا، باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ (1375) 441/1.)، حاکم 526/1، بیہقی، ابن السنی).

(2) حماد بن سلمۃ عن ابی جعفر الخطمی المدنی عمیر بن یزید عن عمار بن خزیمۃ عن عثمان بن حنیف (احمد 138/4، ابن السنی)

(3) ہشام الدستوائی عن ابی جعفر الخطمی المدنی عمیر بن یزید عن عمار بن خزیمۃ عن عثمان بن خنیف. (ابو بکر بن ابی خیثمۃ).

(4) احمد بن شبیب عن ابیہ شبیب بن سعید عن روح ابن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی عمیر بن یزید عن ابی أمامۃ بن سہل عن عثمان بن حنیف. (بیہقی، حاکم 1/526، ابن السنی)

(5) عباس ب محمد عن عون بن عمارۃ عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی عمیر بن زید عن ابی أمامۃ بن سہل عن عثمان بن حنیف (6) (حاکم 1/526).

طرق حدیث مطول :

(1)اسمعیل واحمد ابنا شبیب عن شبیب عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی عن ابی امامۃ بن سہل عن عثمان بن حنیف

(2)عبداللہ بن وہب عن شبیب عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی عن ابی امامۃ بن سہل عن عثمان بن حینف (طبرانی 1/183)

ہمارے نزدیک حدیث مختصر (مرفوع) صحیح اور محفوظ ہے۔جس سے صرف زندہ شخص کی دعا اور سفارش سے توسل کا ثبوت ہوتا ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں۔اور مطول روایت جس سے توسل بالمیت پر یعنی میت کی ذات یا نا کو وسیلہ بنانے پر ستدلال کیا جاتا ہے، کے محفوظ ہونے میں بچند وجوہ کلام ہے۔

(1) شبیب بن سعید حبطی عن روح کا اس زیادۃ (قصہ موقوفہ) کے روایت کرنے

میں منفرد ہونا اور شعبہ، حماد بن سلمہ، ہشام دستوائی جو شبیب اور روح بن القاسم دونوں سے اوثق ااحفظ ہیں، ان میں سے کسی کا اس قصہ کو رویت نہ کرنا۔

(2) امام احمد اور اہل سنن (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور ابن السنی کا حدیث

مرفوع کے روایت کرنے پر اقتصار اور مطول روایت سے اعراض۔

(3) امام حاکم (جن کا حدیث کی تصحیح میں تساہل ہونا مشہور و معروف ہے) کا احمد

بن شبیب عن شبیب روح کے طریق سے حدیث مرفوع روایت کرنے کے باوجود قصہ موقوفہ کو حذف کر دینا۔

(4) خاص ''طبرانی،، کی روایت کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ابن

وہب کے طریق سے شبیب کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔حافظ تقریب (ص:143) میں لکھتے ہیں ''شبیب بن سعيدي التيمي الحبطي البصري، ابو سعيد لابأس به، من روایۃ ابنۃ احمد عنہ، لامن روایۃ ابن وہب،، انتہی. اورعدی فرماتے ہیں: ''حدث عنہ ابن وہب بالمناکیر، ولعل شیبا لما قدم مصر فی تجارتہ، کبت عنہ ابن وہب من حفظہ وو ہم،، انتہی (تہذیب التہذیب 4/237)

اور اگر مطول روایت کو سند محفوظ تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے توسل بالمیت پر استدلال دو وجہوں سے صحیح نہیں:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف سے دعا اور سفارش کی درخواست کی تھی۔آپ ﷺ نے اس کو دعا بتائی اور دعا میں ''اللھم فشفعہ فی، کہنے کا حکم دیا، نابینا نے آپ ﷺ کی تعلیم کردہ دعا استعمال کی اور خود آپ ﷺ نے بھی اس کی درخواست قبول فرماتے ہوئے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا اور سفارش کی۔آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اس کی بینائی لوٹ آئی تو یہ آں حضرت ﷺ کی زندگی میں آپ کی دعا اور سفارش کو وسیلہ بنانا ہوا، نہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ذات یا نام کو وسیلہ بنانا ہوا۔اور یہ معلوم ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف اس ضرورت مند کو جو امیر المومنین عثمان بن عفان کے پاس اپنی حاجت براری کے لیے جاتا تھا:، ادھوری دعا سکھائی۔یعنی: صرف ''اللھم إنی اسئلک وأتوجہ الیک بنبینا محمد نبی الرحمۃ، یا محمد إنی فی و شفعنی فیہ '' اللھم فشفعہ فی،، کہنا بے معنی سی چیز ہوگی اور ظاہر ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف کا یہ فتویٰ میت کو وسیلہ بنانے کا فتویٰ ہے جس کا حدیث مرفوع سے قطعاً ثبوت نہیں ہوتا، اور تمام فقہاء محدثین کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ صحابی کی روایت اس کی درایت اور فہم پر مقدم ہوتی ہے لہذا عثمان بن حنیف کے اس فتویٰ سے توسل بالمیت کی مشروعیت پر استدلال صحیح نہیں۔

دوسری وجہ: یہ کہ اگر عثمان بن حنیف آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے توسل کے قائل تھے۔تو تمام صحابہ و تابعین اس کے خلاف تھے۔حضرت عمر نے عام الرمادۃ

میں استسقاء کے موقع پر، بجائے آں حضرت ﷺ سے توسل کے، حضرت عباس کی دعا سے توسل کیا اور حضرت معاویہ نے اپنی خلافت میں یزید بن الاسود کی دعا کو سیلہ بنایا اور تمام صحابہ وتابعین نے دونوں موقعوں پر سکوت وضا اختیار کیا، اور تسلیم واقرار کے ذریعہ حضرت عمر اور حضرت معاویہ ک فعل کی تصدیق وتائید کردی۔ جس سے معلوم ہوا کہ توسل بالمیت کی عدم مشروعیت پر تمام صحابہ تابعین کا اجماع سکوتی ہوگیا ہے۔ اس اجماع اور حدیث مرفوع کے مقابلہ میں عثمان بن حنیف کا فہم جس پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں، کیوں کر قابل تسلیم ہوسکتا ہے۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں :

ومن قال من علماء ، أن قول الصحابي حجة، فأنما قاله إذالم يخالفه غيره من الصحابة، ولاعرف نصي يخالفه ، ثم إذااشتهر ولم ينكروه كان اقرارا على القول ، فقد يقال ہذا إجماع اقراري ، إذا عرف أنهم أقروه ولم ينكره أحد منهم ، وہم لايقرون على باطل ، وأما إاذلم يشتهر ، فهذاإن غيره أوخالفه ، لم يجزم بأحدهما ، ومتى كانت السنة تدل على خلافة كانت الحجة بالاتفاق ، وأما إذالم يعرف بل وافقه غيره أوخالفه ، لم يجزم بأحدهما ، ومتى كانت السنة تدل على خلافة ، كانت الحجة فى سنة رسول الله ، لافيمايخالفهما بلا ريب عند أہل العلم ، وإذاكان كذالك ، فمعلوم أنه إذاأثبت عن عثمان بن حنيف أوغيره ، أنه جعل من المشروع المستحب ، أن يتوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم بعد موته ، من غيرأن يكون النبى صلى الله عليه وسلم داعيا له ولا شافعا فيه ، فقد علمنا أن عمر وأكابرالصحابة لم يروا ہذا مشروع بعد مماته ، كما كان يشرع فى حياته ، بل كانوافى الاستقاء فى حياته يتوسلون به ، فلما مات لم يتوسلوابه ، بل قال عمرفى دعاءه الصحيح المشهور، الثابت باتقاق أہل العلم ، بمحضر من المهاجرين والأنصارفى عام الرمادة المشهورة ، لما اشتد بهم الجدب ، حتى حلف عمرلاياكل سمنا ، حتى يخصب الناس ، ثم لما استسقى بالناس قال : اللهم إنا كنا إذاأجد بنا نتوسل إليك بنبينا ، فسقينا ، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا ، فيسقون ، وہذا دعاء أقره عليه جميع الصحابة، لم ينكره أحد مع شهرته ، وہو من أظهر الاجماعات الإقرارية ' ودعا بمثله معاويةب ابى سفيان فى خلافته ، لما استسقى بالناس فلوكان توسلهم بالنبى صلى الله عليه وسلم بعد مماته كتوسلهم فى حياته ، لقالواكيف نتوسل بمثل العباس ويزيدبن الاسود ونحوهما ، ونعدل عن التوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم الذي ہوافضل الخلائق ، وہوأفضل الوسائل وأعظمها عندالله فلما لم يقل ذلك أحدأن المشروع عندہم التوسل بدعاء المتوسل به لابذاته

وحديث الأعمى حجة لعمر وعامة الصحابة، فأنه أمر الاعمى أن يتوسل إلى الله تعالى بشفاعة النبى صلى الله عليه وسلم ودعائه لابذاته ، وقال له فى الدعاء قل : اللهم فشفعه فى ، وإذاقدرأن بعض الصحابة امر عيره أن يتوسل بذاته لا بشفاعته ولم يأمر بالدعاء المشروع بل ببعضه ، وترك سائرا لمتضمن للتوسل بشفاعته ، كان مافعله عمر بن الخطاب ہوالموافق لسنة رسول لله صلى الله عليه وسلم ، وكان المخالف محجوباً بسنة رسول لله صلى لله عليه وسلم ، وكان الحديث الذي رواه عن النبى صلى لله عليه وسلم حجة عليه لاله ، والله اعلم ، ، انتهى (التوسل والوسيلة ص : 104، 105، المكتب الاسلامى) .

(2) رویت مذکورہ کا مرفوع حصہ صحیح ہے، لیکن ای سے توسل بدعائے الحی وشفاعۃ کا ثبوت ہوتا ہے نہ توسل بالمیت کا، بالمیت کا، اور موقوف حصہ جس طریق سے مروی ہے وہ غیر محفوظ ہے اور اگر محفوظ تسلیم کرلیا جائے تب بھی وہ توسل بالمیت کےلیے حجت شرعی نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ وہ محض ایک صحابی کا فہم وفتویٰ ہے جو اس کی روایت کردہ مرفوع حدیث اور صحابہ وتابعین کے اجماع سکوتی کے مخالف ہے، اور حجت شرعی صرف قرآن اور حدیث صحیح یا حسن ہے۔

اس دوسرے نمبر میں آپ نے ضعیف حدیث کے متعلق ایک مجمل بلکہ غلط بات لکھ کر بتدی عین کی پوری ترجمان بلکہ وکالت کا ہے یا آپ کو مغالطہ ہوگیا ہے۔ سطور ذیل میں ضعیف حدیث کے متعلق ضروری تفصیل ملاحظہ کیجیے۔ امید ہے آپ کو تسلی ہوجائے گی اور غلط فہمی دور ہوجائے گی :

(1) امام ترمذی سے پہلے محدثین باعتبار صحت وقوت وضعف کے حدیث کی دو

قسم کرتے تھے : (1) صحیح۔ (29) ضعیف۔ پھر ضعیف کی دو قسم کرتے تھے :

(1) ضعيف متروك غير محتج به ، اي ضعيف ضعفا يوجب تركه ، وہوالواہى

(2) ضعيف ليس بمتروك ، اي ضعيف ضعفا لايمتنع العمل به ، وہويشبه الحسن فى اصلاح الترمذي (منهاج السنة والتوسل ص : 83) واضح ہو کہ ضعیف کی دوسری قسم میں حسن لذاتہ

اور حسن لغیرہ دونوں داخل ہیں۔

امام ترمذی پہلے شخص ہیں جہوں نے حدیث کی تین قسمیں کی ہیں ولامشاحۃفی الاصطلاح :

(1) صحیح ، (2) حسن، (3) ضعیف ۔اس تقسیم میں ضعیف سے مراد تقسیم اول میں ضعیف کی پہلی قسم اور حسن سے مراد ضعیف کی دوسری قسم ہے۔امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں : ''اول من عرف أنہ قسم الحدیث ثلثۃ أقسام ، صحیح وحسن وضعیف ، وہوابو عیسی الترمذي في جامعہ ، والحسن عندہ ما تعددت طرقہ ، ولم یکن فی روایۃ متہم (بالکذب) ولیس بشاذ، فہذا وأمثالہ یسمیہ أحمد ضعیفاو یحتج بہ ، ولہذا مثل احمد الحدیث الضعیف الذي یحتج بہ ،بحدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وحدیث ابراہیم الہجري و نحوہما ،، انتہی (التوسل والوسیلۃ ص : 83)

(2)احکام خمسہ (1۔وجوب، 2۔ندب، 3۔حرمۃ، 4۔کراہۃ، 5۔اباحۃ) میں صحیح اور حسن لذاتہ کی طرح حسن لغیرہ بھی جب کہ متعدد و مختلف طرق سے مروی ہو محتج بہ اور معمول بہ ہوتی ہے۔

قال النووي فی بعض الأحادیث ، وہذہ إن کانت اسانید مفرداتہا ضعیفۃ ، مجموعہا یقويٰ بعضہ بعضا ، ویصیر الحدیث حسنا و یحتج بہ ، وسبقہ البیہقی فی تقویۃ الحدیث بکثرۃ الطرق الضعیفۃ ، وظاہر کلام ابی الحسن بن القطان یرشدإلیہ ، فانہ قال : ہذا القسم لایحتج بہ کلہ ، بل یعمل بہ فی فضائل الأعمال ، و یتوقف عن العمل بہ فی الأحکام ، إلاإذا کثرت طرقہ ،، الخ وقال العلامۃ البوفالی فی عون الباري نقلا عن النووي : ''الحدیث الضعیف عند تعدد الطرق ، یرتقی عن الضعف إلی الحسن ، ویصیر مقبولا معمولا بہ ،، انتہی لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ ان ضعیف روایتوں کا ضعف صدوق راوی کے سوء حفظ کی وجہ سے ہو، یاارسال یاتدلیس یا جہالۃ کی وجہ سے ہو، اور اگر ای کے فسق یا کذب کی وجہ سے ہو، تو ایسی ضعیف روایتوں کی کثرت سے ، وہ حدیث حسن کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی (تدریب الراوی 1 176 177)۔

اور ضعیف کی پہلی قسم یعنی : متروک واہی پر احکام اور حلال وحرام میں کوئی بھی اعتماد اور اس سے احتجاج کا قائل نہیں ہے۔امام نووی فرماتے ہیں ''إن الأئمۃ لایرون عن الضعفاء ، (أي الذین لایحتج بہم) شیئا یحتج بہ علی انفرادہ فی الأحکام ، فإن ہذا شیٔ لایفعلہ إمام من الأئمۃ المحدثین ، ولا محقق من غیرہم من العلماء ، وأما فعل کثیرین من الفقہاء أو أکثرہم ذلک واعتمادہم علیہ ، فلیس بصواب بل قبیح جدا ،، الخ (شرح مسلم 126/1) اورامام ابن تیمیہ لکھتے ہیں ''ومن نقل عن أحمد أنہ کان یحتج بالحدیث الضعیف الذي لیس بصحیح ولا حسن ، فقد غلط علیہ ،، التوسل والوسیلۃ 82) اور جن ائمہ (امام احمد ابوداؤد وغیرہما) سے یہ منقول ہے کہ وہ حدیث ضعیف کو رائے وقیاس پر مقدم کرتے تھے تو وہاں ضعیف سے مراد واہی اور متروک نہیں ہے بلکہ ضعیف کی دوسری قسم مراد ہے۔

حافظ عراقی ''الفیہ ،، میں لکھتے ہیں :

کان أبوداؤداقوي ماوجد یرویہ والضعیف حیث لایجد

فی الباب غیرہ فذاک عندہ من رأي اقوي قالہ ابن مندہ

قال السخاوي فی شرحہ (82/1) : ''والضعیف أي من قبل سوء حفظ راویہ و نحوذلک ، کالمجہول حال أو عینا ، لا مطلق الضعیف الذي یشمل ماکان راویہ متہما بالکذب ،، انتہی . وقال ابن تیمیۃ فی منہاج السنۃ : ''وأما نحن فقولنا أن الحدیث الضعیف خیر من الرأي ، لیس المراد بہ الضعیف المتروک ، لکن المراد بہ الحسن ، کحدیث عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ ، وحدیث ابراہیم الہجري وامثالہما من یحسن الترمذي حدیثہ اویصححہ ،، الخ

(3)اور دجن بعض ائمہ نے حدیث کی پہلی قسم یعنی متروک کا بشرطیکہ اس کا کذب وبطلان معلوم نہ ہو۔ احتجاج واستدلال کے علاوہ کسی اور حیثیت سے اعتبار کیا ہو، انہوں نے اس کے لیے حسب ذیل شروط مقرر کیے ہیں :

(1) وہ حدیث ترغیب وترہیب فضائل اعمال سے تعلق رکھتی ہو، احکام وعقائد سے متعلق نہ ہو۔

(2) شدید الضعف نہ ہومثلا : اس کے راویت میں کوئی کذاب یا متھم بتعمد الکذب یا فاحش الغلط راوی منفرد نہ ہو۔

(3) کسی اصل معمول بہ کے تحت آتی ہو۔ یعنی نفس عمل کی مشروعیت (جوازو یا حتیٰ یا استحباب) دلیل شرعی سے ثابت ہو۔ اور اس کی فضیلت میں کوئی ایسی ضعیف روایت آئے جس کا کذب اور باطل ہونا معلوم نہ ہو، تو ترغیب کےلیے اس ضعیف روایت کو بیان کرنا اور اس پر عمل کرنا جائز ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس عمل کا وہ ثواب جو اس کے روایت میں مذکور ہے حق ہو۔

(4) عمل کرنے والا اس حدیث کے یا اس میں ذکر کردہ ثواب کے ثابت ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، بلکہ صرف احتیاط کی راہ اختیار کرنے کا عقیدہ رکھے۔

(5) کوئی کام، دین اور ثواب کا کام یعنی : واجب یا سنت اور مستحب یا مباح نہیں ہوسکتا، یا یوں کہیئے کہ عبادت نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی مشروعیت پر قرآن کی آیت یا حدیث صحیح یا حسن موجود نہ ہو۔ ضعیف حدیث (متروک واہی) ہرگز اس کی مشروعیت کےلیے کافی نہیں ہوگی۔ پس ایسا کام جس کو عبادت (یعنی سنت ومستحب یا جائز) سمجھ کر کیا جائے، لیکن اس پر نص قرآنی یا حدیث صحیح یا حسن موجود نہ ہو بلکہ صرف شدید الضعف اور واہی حدیث ہو بلاشبہ اس کو غیر مشروع کہا جائے گا، اگرچہ اس کے منع پر صریح اور صحیح نص موجود نہ ہو۔ کسی امر کی مشروعیت کےلیے یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں چوں کہ اس کے منع پر نص موجود نہیں ہے اس لیے اس کی مشروعیت کےلیے ضعیف (متروک الاحتجاج) حدیث کافی نہیں ہوگی۔ یہ قول تمام محدثین وفقہاء محققین کے مذہب کے خلاف ہے۔ کسی کے نزدیک بھی حکم شرعی حسن سے کم درجہ کی حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتا، ونیز اس قول کی بناء پر لازم آئے گا کہ بہت سے وہ امور جو بدعت وضلالت ہیں بدعت نہیں رہیں گے۔ آں حضرت ﷺ نے اس کےلیے ایک جامع قانون اور عام ضابطہ فرمادیا ہے ''من احدث فی امرنا ھذا مالیس نہ فھورد،، یعنی دین میں ایسی نئی چیز نکالنی جس پر دلیل شرعی (قرآن وحدیث صحیح یا حسن) موجود نہ ہو تو وہ مردود وباطل ہے۔

(6) دعا ایک عبادت بلکہ مخ العبادت ہے۔ اس لیے اس میں توسل بالمیت کو عبادت (سنت، مستحب یا بدرجہ آخر جائز ومباح) سمجھ کر کیا جاتا ہے اور یہ ایک شرعی حکم ہے۔ پس اس کے ثبوت کےلیے ایسی قرآنی نص یا حدیث مرفوع صحیح یا حسن کا ہونا ضروری ہے جس سے دعا میں مردوں سے توسل کا صرحتیٰ استحباب یا جواز ثابت ہوتا ہو، اس کےلیے کسی صحابی کا اثر (محفوظ یا غیر محفوظ) یا حدیث مرفوع شید الضعف ہرگز کافی نہیں ہوگی۔ بالخصوص جبکہ وہ اثر یا ضعیف حدیث اجماع صحابہ اور دوسری صحیح مرفوع حدیث کے خلاف ہو۔

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے قاعدہ اور اصول وضابطہ کے ماتحت لکھا گیا ہے۔ امید ہے آپ کو اطمینان ہوجائے گا۔ رہ گیا مخالف مبتدع، تو جب اس کے نزدیک ترغیب وترہیب، بلکہ احکام میں بھی حدیث وضع کرنا اور موضوع حدیث روایت کرنا اور اس پر اعتماد وعمل کرنا جائز ہے، اور جس کے نزدیک سنت ہے اور بدعت سنت۔ بھلا ان اصولی باتوں سے اس کی کیا تسلی ہوسکتی ہے۔

(3) حضرت عمر کی اس حدیث کو طبرانی کے علاوہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور حاکم نے مستدرک 2 615 میں روایت کیا ہے۔ لیکن یہ حدیث باطل اور موضوع ہے اس کا مدار عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیہ عن جدہ ہے، اور عبدالرحمن بالاتفاق ضعیف ہیں۔ امام حاکم کتاب الدخل (ص : 154) او رکتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں ''روي اي عبدالرحمن عن أبیہ أحادیث موضوعۃ، لایخفی علی من تأملہا من أہل الصنعۃ أن الحمل فیہا علیہ،، انتھی اوران کو ان لوگوں میں شمار کیا ہے جن کی حدیث لکھنی بھی نہیں چاہئیے۔

اورجن کی حدیثوں کے روایت کرنے والوں کو انہوں نے ''من حدث بحدیث، وہویری أنہ کذب، فھوأحد الکاذبین،، (ترمذی کتاب العلم باب ماجاء فی من روی حدیثا وہویری انہ کذب 5 36 .(2672)) کا مصداق قرار دیا ہے۔ افسوس ہے کہ وہ اپنی مستدرک میں ان کی یہ حدیث روایت کرکے، خود کھلے ہوئے تناقض کا شکار ہوگئے ہیں۔

ونیز طبرانی کی سند میں عبداللہ بن اسمٰعیل المدنی اور حاکم و بیہقی کی سند میں عبداللہ بن مسلم ابوالحارث الفہری واقع ہیں اور یہ دونوں مجہول ہیں۔ امام ذہبی نے تلخیص مستدرک 2 615 میں اس حدیث کو موضوع، اور میزان الاعتدال (4 246) میں باطل لکھا ہے۔ پس ایسی منکر باطل وموضوع حدیث سے توسل بالمیت کی مشروعیت ثابت کرنا جہالت بلکہ شرارت ہے۔ مردوں کو وسیلہ بنانے کی مشروعیت پر دلیل شرعی (نص قرآنی یا حدیث صحیح یا حسن) پیش کرنا مدعی کے ذمہ لازم ہے۔ باطل اور موضوع حدیث سے اس کا جواز

ثابت کرنا اور منکرین سے منع کی نص صحیح طلب کرنا اسر اسر زیادتی اور جہل ہے۔

اعاذنا اللہ من ذلک۔ (مصباح بستی صفر1372ھ)

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر1

صفحہ نمبر44

محدث فتویٰ